****

**ریاست کے معاشی استحکام میں معاہداتِ نبوی ﷺکا کردار**

**The role of Prophet's agreements in the economic stability of the state**

**Ajmal Ali**

Ph.D. Scholar, University of Lahore, Lahore

ajmal.azad@gmail.com

**Dr. Abdul Rasheed Qadri**

Associate Professor, University of Lahore, Lahore

abdul.rasheed@gmail.com

**Abstract:**

The establishment and development of any state is not possible until that state is economically organized. It is the duty of the government to ensure the provision of the necessities of life to the citizens according to their financial capacity and at the same time to provide these necessities to the financially weak and poor citizens free of charge or to provide reasons for it. In this article we will try to know about the following points. How the Prophetic treaties played an important role in the economic stability of the state of Madinah. And agreements with internal and external allies and rival powers play an important role in the economic stability of any state. Along with this, in today's era, how can any state be guided by prophetic agreements to make it economically stable?

**Keywords:** Prophet’s Agreements, Economic Stability, Stability of State, Financial Capacity.

کسی بھی ریاست کا قیام اور نشو ونما اس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک وہ ریاست معاشی طورپر منظم نہ ہو۔ یہ حکومت کا فریضہ ہوتا ہے کہ وہ شہر یوں کو ضروریاتِ زندگی کی فراہمی اُن کی مالی استطاعت کے مطابق یقینی بنائے اور اس کے ساتھ ساتھ مالی طور پر کمزور اور مفلوک الحال شہریوں کو یہ ضروریات مفت فراہم کرے یا اس کے لیے اَسباب مہیا کرے۔

یہی وجہ ہے ھادیِ عالم ﷺ نے ریاست مدینہ کے استحکام کے لیے جہاں اور اُمور کی طرف توجہ کی وہاں معاشی استحکام کی طرف بھی بھر پور توجہ فرمائی۔ آپﷺنے مختلف قبائل اور ریاستوں کے ساتھ جو معاہدات کیے ان میں جہاں سیاسی اور دفاعی اُمور کو اہمیت دی گئی وہیں معاشی اُمور کو بھی خاص اہمیت دی گئی۔ معاہدات نبوی سے ریاست مدینہ پر مرتب ہونے والے معاشی اثرات کا جائزہ درج ذیل عنوانات کے تحت لیا جاتا ہے۔

(1) مہاجرین مکہ کے معاشی مسائل کا حل

مدینہ ایک چھوٹا سا شہر تھا جس کے باسی زراعت پیشہ لوگ تھے۔تجارت اور کاروبارپر یہودی چھائے ہوے تھے۔ جو مسلمان مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ پہنچے تھے وہ بالکل بے سروسامانی کے عالم میں تھے۔ ان میں سے کچھ تو غلام تھے جنہیں آزاد کرایا گیا تھا، کچھ اسلام قبول کرنے کی پاداش میں گھروں سے لا تعلق کر دیے گئے تھے اور کچھ کے پاس اگر مال تھا بھی تو وہ بھی مکہ میں چھوڑ آئے تھے اور اس پر کفار نے قبضہ کر لیا تھا۔ ان بے خانما اور بے روز گار مسلمانوں کی رہائش اور خوراک کا ایسا انتظام کرنا جو ان کی ضروریات کو پورا بھی کرے اور با عزت بھی ہو۔ لہذا اس مقصد کے حصول کے لیے رحمت عالم ﷺنے مہاجرین اور انصار کے درمیان رشتہ مواخاۃ قائم فرمایا۔ اس مواخات کو حضور ﷺ نے حکومت کی جانب سے قانونی تحفظ عطا فرمایا۔

انصار کی تمام تر سخاوت اور فیاضی کے باوجود مہاجرین کی گزر بسر کےلیے ایک ایسے نظام کی ضرورت تھی جو قانونی بھی ہو اور باعزت بھی۔ یوں نبی مکرم ﷺ نے حضرت انس بن مالک کے گھر پر مواخات کے نظام کا باقاعدہ طور پر اعلان فرمایا۔([[1]](#footnote-1))

گویا مواخات کا اہم اور سب سے بڑا مقصد گھر سے بےگھر بے سروساماں اور بے روزگار مہاجرین کو گھر، خاندان اور روزگار مہیا کرناتھا۔ یہ مقصد مواخات کے ذریعے باتمام و کمال پورا ہوا۔

حمید اللہ مواخات مدینہ کی اس اہمیت اور اس کے طریقہ کار کے حوالے سے بیان کرتے ہوے لکھتے ہیں:

’’جب مسلمان مکے سے ہجرت کر کے مدینے پہنچے تو عام مہاجرین کی بے روزگاری اور ان کی مصیبت زدگی کا ازالہ کیا گیا اور مواخاۃ کے ذریعے سے مدنی مسلمانوں کے خاندانوں میں مہاجرین مسلمانوں کے خاندانوں کو ضم کر کے ان دونوں کو ایک خاندان بنا دیا گیا۔ یہ خاندان مشترکہ طور پر کمائی کرتے تھے اور رہتے تھے([[2]](#footnote-2))۔‘‘

مواخات مدینہ مہاجرین مکہ کے معاشی استحکام کا ایک انوکھا اور اچھوتا انتظام تھا۔ ایک دو دن یا ایک ہفتے کےلیے کسی کی رہائش اور خوراک کا انتظام کر دینا ایک الگ بات ہے مگر مستقل طورپر کسی کے ہاں مہمان ٹھہرا دینا اوران کو ایک دوسرے کا وارث قرار دے دینا اس کی نذیر پہلے نہیں ملتی۔ انصاری مسلمانوں کا قربانی کے اس فیصلے کو دل وجان سے قبول کرنا اور اپنے سگےبھائیوں سے بڑھ کر مہاجرین کی خدمت کرنا اس کی بھی مثال نہیں ملتی۔

مواخات مدینہ سے نہ صرف مہاجرین مکہ کے توطن اور بسر وبرد کا انتظام ہوا بلکہ دونوں کے مل جل کر کام کرنے سے مسلمان معاشی طور پر ترقی کرنے لگے مہاجرین اور انصار کے ملاپ سے زراعت کو وسعت ملی اور تجارتی سرگرمیاں بڑھ گئیں چونکہ مہاجرین تجارت کے اصولوں سے واقف تھے جبکہ انصار زراعت پیشہ تھےدونوں کی اجتماعی کوششوں سےخوش حالی آنے لگی۔

(2) عزتِ نفس کا خیال

اگرچہ اسلام ہر معاملے میں عزت نفس اور وقار کا خیال رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ صدقات، خیرات اور زکوۃ دیتے ہوے یہ ہدایت کی گئی ہے کہ جس کو دیا جائے اس کی عزت نفس کا خیال رکھا جائے۔مواخات مدینہ کے موقع پر اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے اس بات کا خاص خيال رکھا گیا کہ مہاجرین کی عزت نفس مجروح نہ ہو، لہذا اس رشتہ اخوت کوباقاعدہ قانونی حیثیت دی گئی وہ اس طرح کہ اس کا حکم اللہ **تعال**یٰ نےخود نازل فرمایا۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

**إِنَّ الَّذِينَ آمَنُواْ وَهَاجَرُواْ وَجَاهَدُواْ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللّهِ وَالَّذِينَ آوَواْ وَّنَصَرُواْ أُوْلَئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ([[3]](#footnote-3))**

’’بے شک جو لوگ ایمان لےآئے اور ہجرت کرگئے اور اپنے مال اور اپنی جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنھوں نے ان کو رہنے کا ٹھکانا دیا اور ان کی نصرت کی یہی لوگ باہم ایک دوسرے کے وارث ہیں‘‘

گویا اللہ تعالیٰ نے خود فیصلہ سنادیا کہ انصار اور مہاجرین آپس میں ایک دوسرے کہ وارث ہیں۔ يوں مواخات كے عمل سے مہاجرين کے نان و نفقہ کےانتظام کو قانونی حیثیت حاصل ہو گئی۔

انصار صحابہ نے مہاجرین کا اتنا خیال رکھتے تھے کہ ان کو کام سے بھی مستغنی کردیا تھا مگر منافع میں ان کو شریک رکھتے تھے۔یہ بات مہاجرین کی عزت نفس کے لیے نا قابل برداشت تھی کہ وہ کام بھی نہ کریں مگر پیداوار میں انھیں مفت کا حصہ مل جائے۔ایک روز مہاجرین کے سرکردہ افراد آپ ﷺ کی خدمت میں حا ضر ہوے اور عرض کی:

’’یا رسول اللہ! جس قوم میں ہم ٹھہرے ہوے ہیں اس سے زیادہ، زیادہ مال میں سے خرچ کرنے والا اور کم مال سے غم خواری کرنے والا ہم نے کو ئی نہیں دیکھا ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں سارا اجر و ثواب وہی نہ لے جائیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:نہیں، جب تک تم ان کے لیے دعا گو اور ان کے شکر گزار رہو گے اس وقت تک ایسا نہیں ہو سکتا([[4]](#footnote-4))**۔‘‘**

انصار صحابہ کرام نے اپنے مہاجر بھائیوں کے لیے نہ صرف دل کے دروازے واہ کر دیے تھے بلکہ گھر کے دروازے اور مال واسباب سب کچھ ان کے لیے پیش کر دیا تھا مگر مہاجرین چاہتے تھے کہ وہ کسی کے زیر بار احسان نہ رہیں بلکہ خود محنت کریں اور اور پنے ہاتھوں سے کما کر کھائیں۔

اس حوالے سے ابن کثیرنے یہ روایت بیان کی ہے، جسے پیر کرم شاہ نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے:

’’ایک روز انصار صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ آپ ہمارے نخلستانوں کو ہمارے اور ہمارے مہاجر بھائیوں کے درمیان برابر برابر تقسیم فرما دیجیے آپ ﷺ نے اس کو قبول نہ فرمایا اور فرمایا وہ پھل میں تمھارے حصہ دار ہوں گے ملکیت میں نہیں ([[5]](#footnote-5))**۔**‘‘

مہاجرین کے باعزت روزگار کے لیے ایک اہم قدم اس وقت اٹھایا گیا جب بنو نضیر کی زمینیں مسلمانوں کے قبضے میں آگئیں رسول اللہ ﷺ نے انصار سے فرمایا اگر یہ زمینیں صرف مہاجرین میں تقسیم کردیں تو تمہارا کیا خیال ہے اس پر انصار بخوشی راضی ہو گئے۔ لہذا یہ زمینیں مہاجرین میں تقسیم کر دی گئیں تاکہ وہ کاشتکاری کر کے اپنا روز گار خود پیدا کر سکیں۔

(3) مدینہ منورہ میں کاروباری سرگرمیاں

جسور و غیور مہاجرینِ مکہ اپنےکریم النفس میزبانوں پر بوجھ بننے کی بجائےاپنی ہمت مردانہ اور محنت شاقہ سے رزق تلا ش کرنے لگےاور بہت جلد خوش حال ہو گئے۔یہ یقیناً رسول اللہ ﷺ کی رہنمائی کا نتیجہ تھا۔ ان میں سے کچھ تو جلد کاروبار کرنے لگے اور جلد امیر ہو گئےمثلاً حضرت عبدالرحمآن بن عوفؓ،حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت ابو بکؓروغیرہ**۔**

احمد بن حنبلنےسعید بن مسیب سے ایک روایت نقل کی ہےجس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مدینہ میں جاکر کھجوروں کا کارو بار شروع کرلیا تھا۔وہ بیان کرتے ہیں:

’’میں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منبر پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوے سنا، آپ فرما رہے تھے کہ میں یہودی قبیلہ بنو قینقاع سے کھجوریں خریدتا تھا اور نفع پر انہیں بیچ دیا کرتا تھا آپ ﷺ کو جب اس کی اطلاع ملی تو مجھے فرمایا: اے عثمان!جب کھجوریں خریدو تو ماپ کر اور جب بیچو تو ماپ کر([[6]](#footnote-6))۔‘‘

اسی طرح امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کاروبار کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ بیان کرتی ہیں:

**لمّا إستخلف أبو بكر الصّديق قالَ: عَلِم قومي أنّ حِرفتي لم تكن تَعجز عن مئُونَه أهلي وشُغلتُ بأمر المسلمين فسيأكل آلُ أبي بكر من هذا المال ويحترف للمسلمين فيه**([[7]](#footnote-7)).

’’جب حضرت ابو بکر صدیق کو خلیفہ بنایاگیا تو انہوں نے فرمایا: میرا کاروبار اتنا ہے کہ وہ میرے خاندان کی ضروریات کےلیے ناکافی نہیں۔ لیکن میں مسلمانوں کے کام میں مصروف ہو گیا ہوں لہذا ابوبکر کا خاندان اس مال سے کھائے گا اور وہ مسلمانوں کے لیے کمائے گا۔‘‘

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیق کسی پر بوجھ نہیں بنے بلکہ اپنے کاروباری تجربے سے فائدہ اٹھاتے ہوے مدینہ میں بھی کا رو بار شروع کرلیا۔

پیر کرم شاہ نے اپنی کتاب ضیاء النبی میں حضرت ابوبکر کے کاروبار کی نو عیت کے متعلق لکھا ہے:

’’حضرت سیدناابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ طیبہ کی نواحی بستی سخ میں اقامت پذیر ہوئے اور وہاں کپڑے کی تجارت کرتے تھے([[8]](#footnote-8))۔‘‘

مسلمان بازاروں میں کاروبار کرتے اور خدمات سرانجام دیتے تھے مگر حج کے دنوں میں کاروبار کرنے میں یہ شبہ پیداہوا کہ اس سے گناہ ہو گا یا حج کا ثواب نہیں ملےگا۔اللہ تعالیٰ نے سورہ البقرہ کی آیت نازل فرما کر اس شبہ کا ازالہ فرمادیا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

**لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَبْتَغُواْ فَضْلاً مِّن رَّبِّكُمْ**([[9]](#footnote-9))

’’(حج کےدوران )اپنے رب کا فضل (روزی) تلاش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔‘‘

امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے وہ فر ماتے ہیں:

’’عکّاظ،مجنہ اور ذوالمجاز زمانہ جاہلیت کے بازار تھے،جب اسلام آیا تو مسلمانوں نے ان بازاروں میں کاروبار کرنا گناہ سمجھا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ زمانہ حج میں اپنے رب کا فضل تلاش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے([[10]](#footnote-10))۔‘‘

اس روایت سے نہ صرف یہ معلوم ہو تا ہے کہ صحابہ کرام کاروبار کرتے تھے بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہےکہ عکّاظ،مجنہ اور ذی المجاز جیسے میلے جو زمانہ جاہلیت سے لگتے آرہے تھےاور کاروباری سرگرمیوں کا مرکز تھے۔رسول اللہ ﷺ نے ان کو ختم نہیں کیا۔یہ آپﷺ کی اعلیٰ معاشی سوجھ بوجھ تھی۔

مودودی اس آیت کی تفسیر میں لکھتےہیں:

’’یہ بھی قدیمی عربوں کا ایک جاہلانہ تصور تھا کہ سفرحج کے دوران وہ کسب معاش کو ایک دنیا دارانہ فعل سمجھتے تھے اور حج جیسے ایک مذہبی کام میں اس کا ارتکاب مذموم تھا۔قرآن اس خیال کی تردید کرتا ہے اور بتلاتاہے کہ ایک خدا پرست آدمی جب خدا کے قانون کا احترام ملحوظ رکھتے ہوے اپنے رب کا فضل تلاش کرتا ہے تو اس میں کوئی گناہ نہیں([[11]](#footnote-11))۔‘‘

شبیر احمد عثمانی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

’’لوگوں کو اس میں شبہ تھا کہ شاید تجارت کرنے سےحج میں نقصان آئے گا([[12]](#footnote-12))۔‘‘

جب اس بات کی وضاحت ہو گئی کہ حج کے دوران کاروبار کرنا گناہ نہیں ہے تو یقیناصحابہ کرام کاروبار اور اجرت پر خدمات سرانجام دیتے ہوں گے اور اپنی روزی کا باعزت انتظام کرتے ہوں گے۔

ایک دوسری حدیث سے اس کی مکمل وضاحت ہو جاتی ہے جس کو امام ابو داود، امام عبدالرزاق، امام ابن ابی شیبہ،امام ابن جریر، امام حاکم اور امام بیہقی نے روایت کی ہے:

’’ابو امامہ تمیمی نے حضرت عبداللہ بن عمر k سے سوال کیا:ہم لوگ محنت مزدوری کرتے ہیں کیا ہمارے حج کااجرو ثواب ہوگا ؟حضرت عبداللہ بن عمر k نے جواب دیا کیا تم لوگ بیت اللہ کا طواف نہیں کرتے؟ کیا تم اپنے سروں کو نہیں مونڈتے ؟ میں نے جواب دیا: کیوں نہیں۔۔۔حضرت ابن عمر k نے فرمایا: ایک روز ایک شخص نے آکر رسول اللہ ﷺ سے یہی سوال کیا آپﷺ نے اس کو کوئی جواب نہ دیا حتّٰی کہ جبرائیل e یہ آیت لے کر نازل ہوے: ’’(زمانہ حج میں) رب کا فضل تلاش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے([[13]](#footnote-13))۔‘‘

حج مسلمانوں کا بین الاقوامی اجتماع ہے۔اس میں دنیا بھر سے لوگ جمع ہوتے ہیں۔حج کے موقع پر تجارت کی اجازت دے کر اللہ نے واضح فرمادیا کہ مسلمانوں کو بین الاقوامی سطح پر تجارتی لین دین کو فروغ دینا چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو معاشی خود مختاری اور محنت و مزدوری سے اپنے لیے رزق تلاش کرنے کی ترغیب دی اس حوالے سے ایک مشہور واقعہ جو احادیث کی کتب میں نقل ہوا ہے اُس کی تفصیل درج ذیل ہے:

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے:

**أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ يَسْأَلُهُ، فَقَالَ: «أَمَا فِي بَيْتِكَ شَيْءٌ؟» قَالَ: بَلَى، حِلْسٌ نَلْبَسُ بَعْضَهُ وَنَبْسُطُ بَعْضَهُ، وَقَعْبٌ نَشْرَبُ فِيهِ مِنَ الْمَاءِ، قَالَ: «ائْتِنِي بِهِمَا»، قَالَ: فَأَتَاهُ بِهِمَا، فَأَخَذَهُمَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِيَدِهِ، وَقَالَ: «مَنْ يَشْتَرِي هَذَيْنِ؟» قَالَ رَجُلٌ: أَنَا، آخُذُهُمَا بِدِرْهَمٍ، قَالَ: «مَنْ يَزِيدُ عَلَى دِرْهَمٍ مَرَّتَيْنِ، أَوْ ثَلَاثًا»، قَالَ رَجُلٌ: أَنَا آخُذُهُمَا بِدِرْهَمَيْنِ فَأَعْطَاهُمَا إِيَّاهُ، وَأَخَذَ الدِّرْهَمَيْنِ وَأَعْطَاهُمَا الْأَنْصَارِيَّ، وَقَالَ: «اشْتَرِ بِأَحَدِهِمَا طَعَامًا فَانْبِذْهُ إِلَى أَهْلِكَ، وَاشْتَرِ بِالْآخَرِ قَدُومًا فَأْتِنِي بِهِ،»، فَأَتَاهُ بِهِ، فَشَدَّ فِيهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عُودًا بِيَدِهِ، ثُمَّ قَالَ لَهُ: «اذْهَبْ فَاحْتَطِبْ وَبِعْ، وَلَا أَرَيَنَّكَ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا»، فَذَهَبَ الرَّجُلُ يَحْتَطِبُ وَيَبِيعُ، فَجَاءَ وَقَدْ أَصَابَ عَشْرَةَ دَرَاهِمَ، فَاشْتَرَى بِبَعْضِهَا ثَوْبًا، وَبِبَعْضِهَا طَعَامًا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: "هَذَا خَيْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ تَجِيءَ الْمَسْأَلَةُ نُكْتَةً فِي وَجْهِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، إِنَّ الْمَسْأَلَةَ لَا تَصْلُحُ إِلَّا لِثَلَاثَةٍ: لِذِي فَقْرٍ مُدْقِعٍ، أَوْ لِذِي غُرْمٍ مُفْظِعٍ، أَوْ لِذِي دَمٍ مُوجِعٍ([[14]](#footnote-14)).**

’’ایک انصاری صحابی رسول اللہ ﷺکےحضور حاضر ہوااور کچھ مانگا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا تمہارے پاس کچھ ہے تو اس نے جواب دیا ایک بچھونا ہے جسے آدھا اوپر اوڑھ لیتا ہوں اور آدھا نیچے بچھا لیتا ہوں اور ایک پیالہ ہےجس میں میں پانی پی لیتا ہوں۔آپﷺ نے فرمایا دونوں چیزیں لے آؤ۔فرمایا وہ شخص دونوں چیزیں آپﷺ کے پاس لے آیا۔آپﷺ نے وہ دونوں چیزیں اپنے ہاتھ میں لیں اور فرمایا کون ان دونوں چیزوں کو خریدے گا۔ایک شخص نے کہا میں ان کا ایک درہم دوں گا۔ آپﷺ نے دو یا تین بار فرمایا: کون ان کا ایک درہم سے زیادہ دےگا۔ایک اور آدمی نے کہا: میں ان کے دو درہم دوں گا۔آپﷺ نے وہ دونوں چيزیں اس آدمی کو دے دیں اور دو درہم لےکر اس انصاری کو دے دیے۔اور فرمایا ان میں سے ایک درہم کی کھانے پینے کی اشیا خرید کر گھر والوں کو دو اور ایک درہم کی کلہاڑی خرید کر میرے پاس لے آؤ۔وہ شخص کلہاڑی خرید کر آپﷺ کے پاس لے آیا تو آپﷺ نے اپنے ہاتھوں سے اس میں دستہ ڈال کر دیا اور فرمایا جاؤ لکڑیاں کاٹ کر بیچو اور پندرہ روز تک مجھے نظر نہ آؤ! پس وہ شخص چلا گیا اور لکڑیاں کاٹ کر بیچتا رہا۔ جب واپس آیا تو اس کے پاس دس دراہم جمع ہو چکے تھے اس نے ان میں سے کچھ کے کپڑے خریدے اور کچھ کا کھانے کا سامان خریدا۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ اس سے بہتر ہے کہ قیامت کے روز تیرے چہرے پر سوال کرنے کا دھبہ لگا ہواہو۔‘‘

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ رحمت عالم ﷺ نے اپنے صحابہ کوکسی سے مانگنے اور دوسروں پر انحصار کرنے کی بجائے محنت مزدوری اور کاروبار سے اپنا رزق تلاش کرنے کی ترغیب دی۔ صحابہ کرام نے اپنی زندگی میں اسی بات کو اپنایا۔

طاہرالقادری اپنی کتاب ’’سیرۃ الرسول‘‘ میں بیان کرتے ہیں کہ کس طرح مہاجرین نے اپنی کفالت اور ریاست کے معاشی استحکام کے لیے تجارت اور دوسرے پیشے اختیار کر لیے تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

’’مہاجرین نے اپنی آباد کاری کے فوراً بعد معاشی طورپر خود کفیل ہونے کےلیے تگ و دو شروع کردی۔ بعض مہاجرین نے دکانیں کھول لیں، بعض مزدوری پر لگ گئے، بعض مال خرید کر بازار میں گشت کرتے اور یوں اپنی روزی کما لیتے۔ یہ تاجر پیشہ لوگ تھے دیکھتے ہی دیکھتے مدینہ میں مضبوط معیشت کی بنیاد رکھ دی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ میں کپڑے کے تاجر تھے یہاں بھی انہوں نے کپڑے کی تجارت شروع کردی، حضرت عثمان غنی نے بنو قینقاع کے بازار میں کھجوروں کی تجارت شروع کردی، حضرت عمر فاروق بھی تجارت سے وابستہ ہو گئے۔حضرت عبدالرحمان بن عوف نے بنو قینقاع کے بازار میں پنیر اور گھی کا کا رو بار شروع کردیا۔ محنت شاقہ کی وجہ سے اللہ نے ان کے کاروبار میں برکت دی اور دیکھتے ہی دیکھتے منڈی کے متموّل تاجروں میں ان کا شمار ہونے لگا([[15]](#footnote-15))۔‘‘

اس سے معلوم ہوا کہ مہاجر صحابہ کرام lکسی پر بوجھ بننے کی بجائے کاروبار کرکے اور محنت مزدوری کرکے اپنی روزی کماتے اور ریاست کی معیشت میں اپنا حصہ ڈالتے تھے۔

(4) انصار کے ایثار کی بے نظیر مثالیں

رسول اللہ ﷺ نے جب انصار اور مہاجرین کے درمیان رشتہ اخوت قائم فرمادیا اور انہیں ایک دوسرے کا بھائی قرار دیدیا۔ اللہ رب العزت نے آیت نازل فرما دی کہ یہ رشتہ عام نہیں بلکہ تم ایک دوسرے کی وراثت بھی حق دار ہو تو انصار نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کو دل وجان سے قبول فرمایا اور ایثار وقربانی کی وہ مثالیں قائم کر دیں کہ جن کی نظیر ملنا ناممکن ہے۔مثلاً

احمد بن حنبل نے رشتہ مواخاۃ کا ایک واقعہ یوں نقل کیا ہے:

حضرت عبدا لرحمن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی الربیع انصاری کو آپس میں بھائی بنا دیا گیا۔ حضرت سعد نے اپنے دینی بھائی حضرت عبدالرحمن بن عوف کو پیش کش کی:

**أي أخي أنا أكثر أهل المدينة مالاً فأنظر شطر مالي فخذه وتحتي إمرأتانِ فأنظر أيها أعجب إليك حتّى أطلّقها.**

’’بھائی میں مدینہ کا امیر ترین آدمی ہوں میرے مال میں سے آدھا مال تم لے لو، میری دو بیویاں ہیں ان میں سے جو پسند آئے لےلو میں اسے طلاق دیدوں گا۔‘‘

حضرت عبدالرحمن بن عوف نے شکریے کے ساتھ یہ پیش کش قبول کرنے سے معذرت کر لی اور کہا:

دلوني على السّوق([[16]](#footnote-16)).

**’’**مجھے صرف بازار کا راستہ دکھا دو۔‘‘

تاریخِ عالم ایثار کی ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

اسی طرح جب بنو نضیر کو مدینہ سے نکال دیا گیا اور ان کی جائیداد اور زمینیں وغیرہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگئیں تو رحمت عالم ﷺ نے انصار کو بلایا اور فرمایا اگر تم چاہو تو یہ زمینیں تمہارے اور مہاجرین کے درمیان برابر تقسیم کر دوں، اور چاہو تو جو جائیدادیں تم نے مہاجر بھائیوں کو دی ہیں وہ واپس کردیں اور یہ زمینیں ان میں تقسیم کردیں۔

صالحی نے اس واقعہ کو بیان کرتے ہوے لکھا ہے کہ انصار نے ایثاروقربانی میں ایک قدم اور آگے بڑھایا اور عرض کیا:

’’یا رسول اللہ ﷺ آپ ہمارے باغات بھی ان کے پاس رہنے دیں اور یہ نئے نخلستان بھی ان میں تقسیم کردیں([[17]](#footnote-17))۔‘‘

یوں انصارِ مدینہ نے ثابت کردیا کہ حضورﷺ کا منعقد کردہ رشتہ مواخاۃان کےلیے خون کے رشتوں سے بھی بڑھ کر ہے۔

بخاری نے انصار مدینہ کے ایثارو قربانی اور اپنے مہاجر بھائیوں کےلیے دل میں محبت کا ایک واقعہ یوں روایت کیا ہے:

’’جب بحرین فتح ہوا تو آقاءِ دوجہاں ﷺ نے انصار کو بلاکر فرمایا کہ یہ ساری زمینیں مَیں تم انصار میں تقسیم کرنا چاہتاہوں تو انصار نے عرض کیا:

لا، إلا أن تقطع لإخواننا من المهاجرين مثلها([[18]](#footnote-18)).

’’(آقا)اتنی ہی زمینیں ہمارے مہاجر بھائیوں کےلیےبھی الگ کریں پھر ہم لیں گے‘‘

اُخوت و محبت اور ایثارو قربانی کا ایک سیلِ رواں تھا جو شہرمدینہ میں موجزن تھا۔صحابہ کرام کے سامنے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺکی خوشنودی ہی مقصدحیات تھی دنیا کے مال وزر کی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہ تھی۔ دوسري طرف مہاجرين كے دل ميں اپنے انصاري بھائيوں سےبے انتہا محبت اور احترام تھا۔

(5) جنگی اخراجات کا انتظام

حضور نبی اکرم ﷺ جو حکمت خدا وندی کے امیں تھے جب آپ نے ریاست مدینہ کی بنیاد رکھی تو آپﷺ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ ہر طرف سے دشمنوں میں گھری اس نو زائدہ اسلامی ریا ست کو جنگوں کے سخت خطرات لا حق ہوں گےاور دشمن کو کس طرح جواب دینا ہو گا۔ اس وقت ریاست کے پاس نہ کوئی خزانہ تھا، نہ کوئی مرکزی بینک اورنہ ہی دفاعی بجٹ۔ لہذا رسول اللہ ﷺ نے دوسری اقوام سے معاہدات میں بڑی دانشمندی سے نہ صرف جنگی ا خراجات کا انتظام فرمایا بلکہ دیت اور فدیے کا بھی انتظام فر مادیامثلاً یہود اور دوسرے قبائل کے ساتھ جب میثاق مدینہ فرمایا تو اس میں اس طرح کی دفعات واضح فرمادیں:

جب تک مسلمان اپنے دشمن سے لڑائی میں مصروف رہیں گے یہودی ان کی مالی مدد کرتے رہیں گے۔

ہر یہودی پر لازم ہوگا کہ وہ مسلمانوں کی جنگوں میں ان کےساتھ مالی تعاون کرے۔

ان میں سے جو فرد یا جماعت قتل نا حق کرے گی اس کا وبال اسکی ذات اور اس کے اہل وعیال سب پر ہوگا۔

جنگی حالت میں معاہد فریق کے ہر فرد کو مالی اعانت میں اپنا حصہ ادا کرنا ہو گا۔

آپ نے حلیفی کے جتنے معاہدے فرمائے ہر ایک میں فریقین کو اپنے جنگی اخراجات خود ادا کرنے کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ جس طرح میثاق مدینہ کی شق نمبر 43 میں درج ہے:

**«وَإِنَّ عَلَى الْيَهُودِ نَفَقَتَهُمْ، وَعَلَى الْـمُسْلِمِينَ نَفَقَتَهُمْ»([[19]](#footnote-19)).**

’’اور یہود پر ان کے مصارف کا بار ہو گا اور مسلمانوں پر ان کے مصارف کا۔‘‘

اسی طرح کسی اور معاہدے میں بھی یہ نہیں ہے کہ جب وہ ہماری مدد کو آئیں گے تو ان کو اسلحہ اور دوسرے اخراجات ہم فراہم کریں گےبلکہ حمیداللہ کے مطابق اکیدر شاہ دومۃ الجندل سے جب معاہدہ کیا تو مسلمانوں کی جنگی ضروریات کو پورا کرنے کےلیے ایک شق یہ بھی رکھی کہ

’’زرہیں،اسلحہ جات اونٹ اور گھوڑے ضرورت کے وقت ہم لے سکیں گے([[20]](#footnote-20))**۔**‘‘

(6) ٹیکسوں کی وصولی

جیسے جیسےمسلمانوں کی تعداد بڑھنے لگی اور مختلف قبائل اور ریاستیں اسلامی ریاست کی بالا دستی قبول کرنے لگیں ٹیکسوں کی مد میں ریاست کی آمدنی بڑھنے لگی۔خاص طورپر صلح حدیبیہ کے بعد اس مد میں تیزی سےاضافہ ہونے لگا۔ چونکہ جو لوگ مسلمان ہوجاتے وہ زکوٰۃ ادا کرتے اگر صاحب نصاب ہوتے اور جن غیر مسلم قبائل اور ریاستوں نے اسلامی ریاست کی بالا دستی قبول کرلی اور اس کی پناہ میں آگئیں ان پر جزیہ عائد کیا گیا۔ مثلاً:

1۔ اہل نجران پر 4درہم فی کس جزیہ اور کاروباری اور زراعت پیشہ افراد پر 12 درہم لگان نافذ کی گیا۔

2۔ اہل یمن پر ایک درہم جزیہ عائد کی گیا۔

3۔ خیبر کی آدھی آمدنی ریاست کو ملنے کا معاہدہ۔جبکہ اہل خیبر پر ایک دینار فی کس جزیہ بھی عائد تھا۔

4۔ اہل تیما پر جزیہ عائد تھا۔

5۔ اہل فدک کی بھی آدھی پیداوار ریاست کو ملنے کا معاہدہ ہوا تھا۔

6۔ اہل ایلہ پر بھی جزیہ عائد کیا گیا تھا۔

7۔ اہل جربا اورازرح پر جزیہ عائد کیا گیا تھا۔

8۔ اسی طرح ان علاقوں میں جولوگ مسلمان ہوتے گئے وہ ذکوٰۃ ادا کرنے کے پابند ٹھہرائے گئے۔

زکٰوۃ اور جزیے کی یہ رقم حکومتی وظائف کو چلانے کےلیے استعمال ہوتی تھی اور اس کےساتھ ساتھ غریب، مسکین اورضرورت مند صحابہ کرام کی ضروریات کو پورا کرنے کےلیے استعمال ہوتی تھی جیسا کہ خیبر کی آمدن کی تقسیم کا پورا ریکارڈ ملتا ہے کہ پیداوار میں سے کتنا حصہ کس کو ملے گا۔ فدک کی پیداوار حضور ﷺ کے لیے مختص تھی جو آپﷺ اپنےخاندان، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرتے تھے۔

جیسا کہ قرآن کریم میں بھی رسول اللہ ﷺکو ملنے والے اموال کے بارے میں اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے۔

**وَإعْلَمُواْ أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ فَأَنَّ لِلّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ**([[21]](#footnote-21))۔

’’اور جان لو کہ جو کچھ تم مال غنیمت پاؤ اس کا پانچواں حصہ اللہ کےلیے اور رسول کےلیےاور (آپﷺ)کے رشتہ داروں کےلیےاور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کےلیے ہے۔‘‘

(7) محاصل کی حفاظت

زکٰوۃاور جزیے کی وصولی کےلیے مختلف صحابہ کرام کو مقرر کیا گیا۔جو ان علاقوں سے محصولات جمع کرکے پوری ایمانداری اور حفاظت کے ساتھ مدینہ پہنچاتے تھے۔قبل از اسلام موجود نظامِ سلطنت میں حاکم سلطنت کو اپنی جاگیر سمجھتا تھا۔لہذا محاصل باد شاہ کی ملکیت ہو تے تھے۔ جس کو چاہیں دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں اور جہاں چاہیں خرچ کریں ان کو مکمل اختیار حاصل ہو تا تھا۔نیز ٹیکس لاگو کرنے اور وصول کرنے میں بھی عوام سے ظلم برتا جاتا تھا۔ مگر ریاست مدینہ میں ٹیکس(خراج، جزیہ)لا گو کرتے وقت اس بات کا پورا پورا خیال رکھا جاتا تھا کہ کسی کےساتھ زیادتی نہ ہو نیز تمام محاصل زکوۃ، صدقات، خراج اور جزیہ وغیرہ سب بیت المال میں آتے تھے۔ آپﷺ ان کو عام مسلمانوں کی ملکیت قرار دیتے تھے اور مفاد عامہ کےلیے استعمال فرماتے تھے یہاں تک کہ زکوۃ کو آپﷺ نے اپنے اہل وعیال کےلیے حرام قرار دیدیا

(8) معاشی سرگرمیوں کا تحفظ

معاشی سرگرمیوں کو تحفظ اور استحکام دیے بغیر کوئی بھی ملک معاشی طور پر ترقی نہیں کر سکتا بلکہ الٹا معیشت تباہ ہو جاتی ہے۔ معیشت کی اسی اہمیت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے ملکی معیشت کے تحفظ اور استحکام کے لیے کئی اقدامات اٹھائے۔مثلاً زراعت کسی بھی ملک کی معیشت کا اہم اور مرکزی شعبہ ہوتاہے، خاص طور پر حضور ﷺ کے زمانہ میں جب انڈسٹری نہیں تھی معیشت کا سارا دارومدار زراعت پر تھا۔

**1۔** زراعت کی اسی اہمیت کے پیش نظرآپ ﷺ نے فتح خیبر کے بعدان تجربہ کار یہودیوں کو زمینوں پر نصف بٹائی برقرار رکھا تاکہ ریاست کی معیشت کو استحکام ملے۔خیبر سرسبزوشاداب اور وسیع وعریض کھیتوں اور باغات کا علاقہ تھا یہی وجہ تھی کہ یہاں کے یہود بہت خوش حال تھے۔

ابن ہشام نے یہودیوں کو کھیتوں پر برقرار رکھنے کے حوالے سےبیان کیا ہے:

’’جب رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے قلعوں کو فتح کر لیا اور تمام مال واسباب چھوڑ کر چلے جانے کی شرط پر ان کی جان بخشی کر دی تو اہل خیبر نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ ہم کھیتی باڑی سے واقفیت اور زراعت کا تجربہ رکھتے ہیں آپ ہمیں ہمارےباغات اور زمینوں پر برقرار رکھیں ہم نصف پیداوار آپ کو بطور خراج ادا کریں گے۔آپ ﷺ نے ان کی یہ پیش کش قبول فرما لی اور ان کو زمینوں پر برقرار کھا۔اس کے بعد اہل فدک کو بھی اسی شرط پر زمینوں پر برقرار رکھا([[22]](#footnote-22))۔‘‘

**2۔** اہل فدک جنگ کے بغیر صلح پر راضی ہوگئے تو ان کے ساتھ خیبر کی شرائط کے مطابق معاہدہ کیا گیا۔ ان کو زمینوں پر برقراررکھا گیا اس شرط پر کہ وہ پیداوار کا آدھا حصہ ریاست مدینہ کو ادا کریں گے۔

**3**۔ اہل مقنا کو أیلہ کے عیسائی حکمران نے ان کی زمینوں اور گھروں سے بے دخل کر دیا تھا۔ جب اہل مقنا نے حاضر ہو کر اسلامی ریاست کی بالادستی قبول کرلی اور جزیہ دینے پر راضی ہو گئے تو آپﷺ نے انہیں اپنی زمینوں پر واپس جانے کا حکم دیا اور أیلہ کے حکمران کو لکھا کہ وہ اہل مقنا کو ان کی زمینوں پر واپس آنے دے۔

حمیداللہ نے اہل ایلہ کے نام رسول اللہ ﷺ کا جو وثیقہ نقل کیا ہے اس میں درج ہے:

’’ وہ مقنا کے باشندوں کو ان کی زمینوں پر واپس جانے میں مدد کریں([[23]](#footnote-23))۔‘‘

**4۔** اسی طرح آپﷺ نے جن قبائل کے ساتھ معاہدات فرمائے ان میں سے کسی کو بھی ان کی زمینوں اور گھروں سے بے دخل نہیں کیا اور نہ ہی ان کے کاروباری معاملات میں دخل اندازی کی بلکہ ان کو تحفظ فراہم کیا اور ان کی کاروباری رکاوٹیں دور کیں۔ اس سے معاشی سر گرمیوں میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں آئی بلکہ انہیں استحکام نصیب ہوا۔

(9) آزادانہ تجارت کی پالیسی

ریاست مدینہ کے قیام کے بعد جتنے بھی قبائل اور ریاستوں نے ماتحتی قبول کی اور ریاست مدینہ کا حصہ بنیں انھیں نہ صرف تجارت کی آزادی دی گئی بلکہ ان کی تجارت کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کیاگیا اور ان کو تحفظ فراہم کیا گیا مثلاً

بحیرہ قلزم کے کنارے ایلہ کا شہر آباد تھا یہ تجارت پیشہ لوگ تھے۔جب وہ ریاست مدینہ کا حصہ بن گئے تو آپﷺ نے ملک میں تجارت کے فروغ اور اور اشیاء کی آزادانہ نقل وحمل کے لیے انھیں بہت سی تجارتی سہولتیں دیں اور آزادانہ تجارت کی اجازت دی اور ان کی حفاظت کی ذمہ داری لی۔

ابن ہشام اہل ایلہ کو دی گئی کاروباری آزادی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

اگر تم خشکی اور سمندر میں امن وحفاظت کے خواہاں ہو تو خدا اور رسول کے جزیہ کے بارے میں پوری اطاعت کرو تب عرب وعجم دونوں قسم کے دشمنوں کے خلا ف تمہاری مدد کی جائے گی۔ خشکی اور سمندر کی راہیں جن پر تم پہلے سےگزرتے ہو بدستور کھلی رہیں گی([[24]](#footnote-24))۔

قبیلہ عبدالقیس بحرین کا رہنے والا ایک اہم قبیلہ تھا۔اس کے لوگ زراعت پیشہ اور تجارت پیشہ تھے مگر ارد گرد کے قبائل کے ساتھ چپقلش کی وجہ سے ان کے اموال اور تجارت میں رکاوٹیں پیدا ہو گئی تھیں۔

حمیداللہ نے لکھا ہے کہ جب اس قبیلے نے اسلامی ریاست کی ماتحتی قبول کر لی تو آپ ﷺ نے ان کے لیے ارد گرد کے قبائل کو لکھا:

1۔ وہ ان کو فراہمی اجناس میں رکاوٹ نہ ڈالیں۔

2۔ بارانی پانی میں رکاوٹ نہ ڈالیں۔

3۔ پھلوں کے پکنے پر ان کی برآمدگی میں سہولت پیدا کریں([[25]](#footnote-25))۔

طائف کا علاقہ پورے جزیرہ نمائے عرب میں سب سے زیادہ سر سبز وشاداب علاقہ تھا۔ خاص طورپر پھلوں کی پیداوار کے لیے یہ علاقہ بہت مشہور تھا لہذا:

ابوعبید نے اہل طائف کے ساتھ ہونے والے معاہدے کی دفعات میں لکھاہے:

’’اہل طائف کو بھی اپنی زمینوں سے مکمل انتفاع اور تجار کی آزادی دی گئی([[26]](#footnote-26))۔ **‘‘**

مدینہ میں کاروبار اور بازار پر یہودیوں کا قبضہ تھا۔ میثاق مدینہ کے وقت آپ ﷺ نے معاہدے میں ایک شق یہ رکھی کہ’’مسلمان اور یہود اپنے اپنے مصارف کےخود ذمہ دار ہوں گےٗ۔اس طرح رسول اللہ ﷺ نےفریقین کو تلاش معاش میں آزاد کر دیا۔

(10) مسلمانوں کے لیے علیحدہ بازار

آپ ﷺ نے ہمیشہ صحابہ کرام کی تجارت میں حوصلہ افزائی فرمائی،یہاں تک کہ ان کے لیے یہود کے مقابلے میں الگ بازار قائم فرمادیا۔ یہی وجہ تھی کہ مہاجرین صحابہ کرام کی کافی تعداد نے اپنے آپ کو کاروبار اور بازار سے وابستہ کرلیا تھا۔

گولن اپنی کتاب نور سرمدی میں لکھتے ہیں:

’’دوسری مشکل جسے رسول اللہﷺ نےحل فرمایا وہ تجارت تھی۔ جب آپ ﷺنے دیکھا کہ مدینے میں ساری تجارتی سرگرمیاں یہودیوں کے زیر اثر ہیں تو ایک علیحدہ جگہ پر مسلمانوں کےلیے بازار قائم کرنے کا حکم صادر فرمایا تاکہ مسلمان اپنے علیحدہ بازار میں خریدوفروخت کریں اور تجارتی سرگرمیوں سے اپنی طاقت کو بڑھائیں اور بازار پر کافروں کی اجارہ داری ختم کرنے کے لیے اپنے علیحدہ مراکز قائم کریں چنانچہ نیا بازار قائم ہوا تو زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ یہودیوں کے لیے مدینہ منورہ میں تجارتی سرگرمیاں جاری رکھنا اور تجارت کے شعبے میں مسلمانوں کے ساتھ مسابقت کرنا ممکن نہ رہا([[27]](#footnote-27))۔‘‘

گویا رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ مسلمان آزاد ماحول میں کاروبار کریں اور ان کی تجارت خالص اسلامی ماحول میں پروان چڑھےنیز اسلامی تجارت کی باریکیاں اور اصول وقوائد مترشح ہو کر مسلمانوں کے قلوب واذہان پر نقش ہو جائیں۔

تنویر بخاری اپنی کتاب ’’اسلام اور جدید افکار‘‘ میں مدینہ میں مسلمانوں کے علیحدہ بازار کے متعلق بیان کرتے ہوے لکھتے ہیں کہ

’’تجارت کے معاملہ میں ہماری رہنمائی کےلیےنبی ﷺ کا یہ اسوہِ حسنہ کافی ہے کہ آپﷺ نے روحانی پہلو کے ساتھ اقتصادی پہلو کا پورا لحاظ فرمایا۔چنانچہ خالص اسلامی بازار قائم کر کے یہودیوں کے تسلط کو ختم کیا۔ آپﷺ نے خود اس کا نظام مرتب کیا اور اس کی نگرانی فرماتے رہے اور ساتھ ہی اس کے متعلق تعلیمات اورہدایات جاری فرماتے رہے۔اس بازار کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ فریب، ناپ تول میں کمی، ذخیرہ اندوزی اور دوسروں کو ضرر پہنچانے والی باتوں سے پاک تھا([[28]](#footnote-28))۔‘‘

(11) دشمن کا معاشی گھراؤ

قریش بیت اللہ کے ہمسائے اور خانہ کعبہ کے متولّی ہونے کے سبب تمام اقوام عالم میں معزز اور مکرم خیال کیے جاتے تھے یہی وجہ ہے کہ ان کے تجارتی قافلے ہمسایہ ممالک میں بلا خوف وخطر آتے جاتے رہتے تھے۔مزید یہ کہ قریش کے داناؤں نے ہمسایہ اقوام سے تجارتی معاہدات کر رکھے تھے جنہیں’ معاہدات ایلاف ‘‘(امن معاہدے)کہا جاتا تھا۔ قریش ’’اصحاب الایلاف‘‘ کہلاتے تھے۔اس کا ذکر قرآن کریم کی سورۃ القریش میں بھی موجود ہے۔

وحیدالدین اپنی تفسیر تذکیرالقرآن میں سورہ قریش کے تحت لکھتےہیں:

’’قریش ایک تجارتی قوم تھی۔گرمی کے زمانہ میں ان کے تجارتی قافلے شام اور فلسطین کی طرف جایا کرتے تھےاور سردیوں کے زمانہ میں وہ یمن کی طرف تجارت کرتے تھے۔ انھیں تجارتوں پر ان کا انحصار تھا۔قدیم زمانہ میں جبکہ قافلوں کو لوٹنا عام تھا قریش کے قافلے راستے میں نہیں لوٹے جاتے تھے۔اس کی وجہ ان کا کعبہ کا متولّی ہونا تھا ([[29]](#footnote-29))۔‘‘

قریش کو گھٹنوں پر لانے کےلیے ان کے معاشی مقاطع کے حوالے سے آپﷺ نے درج ذیل اقدامات اٹھائے:

**1۔** جس طرح ہم جان چکے ہیں کہ سردیوں گرمیوں میں مکہ کی معیشت کا سب سے بڑا انحصار تجارت پر تھا۔ ان کے قافلے زیادہ تر شام اور مصر جایا کرتے تھے۔قریش مکہ جیسے طاقور اور متکبر دشمن کو گھٹنوں پر گرانے کرلیے آپﷺ نے سب سے پہلے ان تجارتی شاہراہوں پر بسنے والے قبائل بنوضمرہ، بنوجہینہ، بنو مدلج اور ان کی مختلف شاخوں سے حلیفی کے معاہدے کیے۔ان معاہدات سے یہ فائدہ ہوا کہ آپﷺ نے ان علاقوں میں دشمن کے خلاف جاسوسی کا ایک نظام قائم فرمایا نیز مسلم فوجی دستے ان شاہراہوں پر جب چھاپہ مار کاروائیاں کرتے تو ان قبائل کی جانب سے کوئی مزاحمت نہ ہو تی بلکہ معاونت حاصل ہوتی۔

**2۔** حضورنبی اکرم ﷺ نے ہجرت کے پہلے ہی سال قریش کے تجارتی کاروانوں کی روک کےلیے فوجی کاروائیاں شروع کر دیں۔ پہلا مشن آپﷺ نے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کی سربراہی میں ابو جہل کے قافلے کو روکنے کےلیے بھیجا گیا مگر مجدی بن عمر والجہنی نے لڑائی نہ ہونے دی، دوسرا مشن حضرت عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب کی قیادت میں ابوسفیان بن حرب کے قافلے کو روکنے کےلیے بھیجا گیا، تیسرا مشن حضرت سعد بن ابی وقاص کی قیادت میں روانہ کیا گیا۔اسی طرح کچھ مشن کی قیادت خود نبی کریم ﷺ نے فرمائی جن میں غزوہ الابواء جسے غزوہ ودّان بھی کہتے ہیں۔ اسی دوران بنی ضمرہ سے معاہدہ طے ہوا۔غزوہ بوّاط اور غزوہ ذی العشیرہ کی بھی آپﷺ نے خود قیادت فرمائی اور ینبوع کے علاقے میں بنو مدلج سے حلیفی کا معاہدہ کیا اور دشمن کے وہم کو یقین میں بدلا کہ اب تمہاری معاشی شہ رگ ہماری دسترست میں ہے۔

حمیداللہ اس پر تبصرہ کرتے ہوے لکھتے ہیں:

’’قریش کا شام، مصراور عراق جانے والا راستہ مدینہ اور ینبوع کے بیچ میں سےساحل کے کنارے کنارے گزرتا تھا۔ قریشی مواصلات تجارت اور روز گار کی یہ شہ رگ اب بیک جنبش لب کٹ گئی اور ادھر سے قریشی کاروانوں کا گزرنا بند کردیا گیا۔قریش نے تھوڑی کشمکش کی۔بدر، احد اورخندق کے معرکے پیش آئے۔لیکن قریش کے رحلۃالشتاء کا راستہ کھلنا تو کجا نجد سے ہو کر جانے والے نو ساختہ راستے بھی بند ہو تے چلے گئے۔قریش کی تجارت مفلوج ہوئی تو بیسیوں قبائل جو ان کے کاروبار کی وجہ سے پل رہے تھے۔خواہی نا خواہی مدینے سے جڑنے پر مجبور ہو تے چلےگئے ([[30]](#footnote-30))۔‘‘

**3۔** اہل مکہ کی تجارت یمن، عمان جبکہ اندرون عرب بحرین،نجد، یمامہ اور خیبر وغیرہ سے بھی ہوتی تھی۔ یمامہ سےوہ خاص طورپر غلہ درآمد کرتے تھے۔ثمامہ بن اثال جب مسلمان ہوا تو اس نے یمامہ سے غلہ کی مکہ کو برآمد پر پابندی لگادی اور کہا کہ جب تک محمد ﷺ غلّہ کی برآمد کی اجازت نہیں دیں گے پابندی قائم رہے گی۔ اس طرح اہل مکہ کو یمامہ سے غلہ کی درآمد رک گئی۔

**4۔** چھ ہجری میں ایران کی رومیوں سے فیصلہ کن شکست کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ایران کے لا وارث صوبوں، بحرین، عمّان اور یمن کی طرف سفارتی مشن بھیجے جو کامیاب ہوے اور ان صوبوں نے ایران سے قطع تعلق کرکے ریاستِ مدینہ سے الحاق کرلیا۔یوں ان علاقوں کے ساتھ وابسطہ قریش کے تجارتی وسائل اور رفاقت کے تعلقات ختم ہو گئے۔

**5۔** صلح حدیبیہ کے فوراً بعد رسول اللہ ﷺ نے خیبر کو فتح کرلیا اور یہ سارا علاقعہ اسلامی ریاست کے زیر اثر آگیا تو قریش مکہ کے خیبر کے یہودیوں کے ساتھ وابسطہ مالی مفادات اور تجارتی تعلقات بھی ختم ہوگئے۔

**6۔** اسی طرح گردونواح کے اور چھوٹے بڑے قبائل جو اسلام کی بالا دستی قبول کرتے گئے یا حلیفی یا غیر جانبداری کے معاہدات کرتے گئے ان کے ساتھ قریش کے تعلقات یا تو ختم ہوگئے یا بہت محدود ہو گئے۔یوں قریش مکہ نہ صرف سیاسی طورپر محدود ہوتے گئے بلکہ تجارتی حوالے سے بھی مصدود ہو کر رہ گئے۔

یہ وہ اقدامات تھے جنہوں نے قریش مکہ کے تکبر کو خاک میں ملا دیا اور ان کی مزاحمت کی طاقت کو کچل دیا اور8ہجری میں یہ لوگ بغیر جنگ کیے مغلوب ہو گئے۔

(12) تجارتی راستوں کی حفاظت

زمانہ جاہلیت میں تجارتی قافلوں کو لوٹ لینا عام تھا۔ جبکہ محفوظ تجارتی راستے ہی تجارت کی ترقی اور فروغ کے ضامن ہوتے ہیں۔معیشت میں تجارت کی اہمیت کے پیش نظر آپ ﷺ نے آزادانہ تجارت کو جاری رکھنے کےلیے ہمیشہ تجارتی راستوں کی حفاظت کا اہتمام فرمایا۔

ابن سعد نے اس حوالے سے تحریر کیا ہے:

’’دومۃالجندل شام کے راستے پر واقع ہے۔یہ علاقہ اس وقت تجارتی جنکشن تھا شام اور عراق جانے والے تجارتی قافلے یہیں سے گزرتے تھے۔ہجرت کے پانچویں سال، ربیع الاول میں آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ یہاں سے گزرنے والے قافلوں کو لوٹا جاتاہے اور ان پر ظلم کیا جاتاہے تو آپ ﷺ نے بذات خود ایک ہزار کا لشکر لے کر اس علاقے پر حملہ کیا اور ان کا سد باب کیا([[31]](#footnote-31))۔‘ ‘

بنو طے یمن کا ایک اہم قبیلہ تھا جو شام کے قریب اور نجد کے علاقے تک پھیلا ہو اتھا۔9ہجری میں اس کا ایک وفد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلامی وفاق میں شمولیت اختیار کرلی۔

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ قبیلہ بنو طے کے ساتھ جو معاہدہ ہوا اس میں ایک شق یہ رکھی گئی:

’’تجارتی راستوں کی حفاظت ان کی ذمہ داری ہوگی([[32]](#footnote-32))۔‘‘

معاہدہ میں درج اس دفعہ سے کاروبار کے تحفظ کا اہتمام کیا گیا۔

اسی طرح حمیداللہ نے وثائق میں نقل کیا ہے کہ بنی معن از قبیلہ طے سے جب معاہدہ فرمایا تو اس میں اور دفعات کے ساتھ یہ بھی تھا:

1۔ مشرکین سے ترک موالات کریں گے۔

2۔ اپنےاسلام کا حسن اعمال سے ثبوت فراہم کریں۔

3۔ محفوظ راستوں کی زمہ داری لیں گے([[33]](#footnote-33))۔

گویا رسول اللہ ﷺنے تجارتی راستوں کے ارد گردبسنے والے قبائل کے ساتھ معاہدات کیے تو انہیں اس بات کا پابند بنایا کہ وہ اپنے علاقے میں تجارتی راستوں کی حفاظت کریں گے تاکہ کاروبار میں رکاوٹ نہ آئے اور معاشی سر گرمیاں معمول کے مطابق چلتی رہیں۔

(13) ٹیکسوں میں چھوٹ کی پالیسی

آج کے جدید معاشی دور میں معیشت کے استحکام کے لیے ایک اہم پالیسی جو ممالک اپناتے ہیں وہ ٹیکسوں میں چھوٹ کی پالیسی ہے۔اس سے اندرون ملک اور بیرون ملک سے کاروباری لوگ (investers) ملک میں آ کر کاروبار قائم کرتے ہیں اور صنعتیں لگاتے ہیں جس سے ملک میں معاشی سرگرمیاں تیز ہوتی ہیں اور عوام کو روزگار کے مواقع میسر آتے ہیں۔

اسلام سے قبل پورے جزیرہ نمائے عرب میں مختلف قسم کے میلے لگتے تھے جو تجارتی سرگرمیوں کا مرکز تھے۔ مثلاًعکاظ،منی،ذی المجاذ،خیبراور یمامہ کے میلے۔اسی طرح دومۃالجندل، عدن، بحرین کے علاقہ مشقّراور صنعا وغیرہ کے میلے کافی مشہور ہیں۔ان میلوں میں دور دراز سے تاجر آتے تھے۔مثلاًعراق، شام، مصر، حبشہ، سندھ اور مالا بار وغیرہ۔ مگر ان میلوں میں آنے والے تاجروں پر دس فیصد چونگی(ٹیکس) عائدہوتاتھا جو سختی سے وصول کیا جاتا تھا۔

حاکم ریاست مدینہ حضرت محمد ﷺ نےاکثر معاہدات میں عشر(دس فیصدچونگی )کی معافی کا اعلان فرمایا نیز مال تجارت کی نقل وحمل میں حائل رکاوٹوں کو دور کر نے کے احکامات جاری فرمائے۔

حمیداللہ اپنی کتاب ’’عہد نبوی میں نظام حکمرانی ‘‘میں ٹیکسوں کی چھوٹ کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

’’قریش مکہ کو اسلامی ریاست سے الحاق کرنے والے علاقوں کے بارے میں تشویش کی ایک اہم وجہ معاشی بھی نظر آتی ہے کہ اسلام سے پہلے عرب کی ہر بستی، ہر میلے اور ہر بازار میں محصول چنگی لیا جاتا تھا۔ عہد نبوی میں مختلف قبائل سے مملکت اسلامیہ کے جو معاہدے ہوے ان میں سے اکثر میں صراحت سے عشر یعنی اس اندرونی محصول چنگی کی برخاستگی کا ذکر ہے۔چنگی کے اس طرح اٹھنے سے اندرونی گردش مال اورتجارت کو غیر معمولی فائدہ ہوا۔اور اس کی برکات نے سیاسی اتحاد کو اور مستحکم تر کرنے میں یقیناً بڑا حصہ لیا ہوگا ([[34]](#footnote-34))۔‘‘

گویا رسول اللہ ﷺ نے ٹیکسوں میں چھوٹ کی پالیسی اپناکر ایک طرف تو کاروبار میں آسانیاں پیدا کیں اور سرمایہ کاروں کےلیے رغبت پیدا کی جس سے کاروبار میں دلچسپی اور بڑھ گئی ہوگی اور دوسری طرف خارجہ تعلقات میں ارتقاء اور استحکام پیدا ہوا ہوگا۔

 (14) ارتکاز دولت کا خاتمہ

معیشت کی حیثیت کسی قوم کےلیے رگوں میں دوڑنے والے خون کی طرح ہے۔اگر خون جسم کے کسی حصے میں ضرورت سے زیادہ جمع ہو جائے تو وہ عضو فالج زدہ ہو جاتا ہے اسی طرح جس عضو کو خون نہ ملے وہ بھی ناکارہ ہو جاتا ہے۔یہ معاشرہ ایک جسم کی مانند ہےافراد معاشرہ اعضا کی طرح ہیں۔اگر کچھ افراد کے پاس دولت حد سے بڑھ جائے تو قوی امکان ہے کہ وہ غیر اسلامی اور غیر انسانی خرافات کا شکار ہو کر خود بھی تباہ ہو جائیں اور معاشرے کو بھی تباہی کے دہانے پر لے جائیں۔اسی طرح کچھ لوگ اپنی غربت کے ہاتھوں تنگ آکر ڈاکہ زنی، چوری،لو ٹ مار اور رشوت وبدعنوانی جیسی بیماریوں کا شکار ہوکر معاشرے کےلیے ناسور کی شکل اختیار کرلیں۔اس لیے اسلام دولت کو گردش میں رکھنے کا حکم دیتا ہے۔چند ہاتھوں میں دولت کے مرتکز ہونے کو اسلام ناپسند کرتا ہے اور اس کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔

اسلام نے دولت کو گردش میں رکھنے کا باقاعدہ ایک طریقہ کار متعارف کرایا ہے۔مثلاً زکٰوۃ، صدقات،خیرات فطرانہ انفاق فی سبیل اللہ، وقف املاک، وصایااور وراثت کے قوانین اور ناجائز اور حرام ذرائع سے کمائی کی مذمت۔اس سے دولت معاشرے کے تمام افراد تک پہنچتی رہتی ہے اور ان کی ضروریات پوری ہوتی رہتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اکتنازِ دولت کی مذمت کرتے ہوے ارشاد فرمایا:

**وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلاَ يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ([[35]](#footnote-35))**

’’اور وہ لوگ جو سونا چاندی جمع کرتے رہتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتےپس ان کو درد ناک عذاب کی وعید سنادو‘‘

ارتکاز اور اکتناز دولت کے خاتمے کے لیے سب سے بڑا قدم سود کا خاتمہ تھا۔آپﷺ جس قوم اور قبیلے سے معاہدہ فرماتے اس میں سود کے خاتمے کا اعلان ہوتا اور زکٰوۃ کی ادائیگی کا حکم ہوتا تھا۔جبکہ غیر مسلموں کےلیے جزیہ اور خراج ادا کرنے کا حکم ہوتا تھا۔یہ احکام ایک طرف ریاست مدینہ کےلیےذرائع محصولات تھے تو دوسری طرف ارتکاز دولت کا علاج بھی تھے۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے معاشرے میں دولت کی منصفانیہ تقسیم کےلیے اصول عطافرمائے ہیں، مثلاً:

1۔ ذخیرہ اندوزی اور اکتناز کی مذمت فرمائی۔

2۔ ضروریات زندگی سے زائد مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی تلقین فرمائی۔

3۔ انفاق فی سبیل اللہ پر بے شمار اجروثواب کی نوید سنائی۔

4۔ عاملیں پیدائش کو ان کی خدمات کا معاوضہ منصفانہ طورپر اداکرنے کا حکم فرمایا۔

5۔ مزدور کو اس کی اجرت فوری طور پر ادا کرنے کا حکم فرمایا۔

اس طرح بہت سی احادیث اور آیات ایسی ہیں جن میں معاشرے میں معاشی عدل وانصاف قائم کرنے اوردوسروں کا استحصال کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

(15) فلاحی ریاست کا قیام

ریاست قوم کی امین ہوتی ہے جو شہریوں کی بنیادی ضروریات اور رفاہ عامہ کے میدان میں اپنا کردار ادا کرتی ہے اور عدل اجتماعی کی ذمہ دار ہوتی ہے۔شہریوں کے جان ومال کے تحفظ کو فریضہِ اول سمجھتی ہے۔ملک سے ہر قسم کے نسلی، لسانی، مذہبی اور جغرافیائی امتیازات کو ختم کرکے مساوات پر معاشرہ استوار کرتی ہے۔ایسی ریاست یقیناً ایک فلاحی ریاست ہوتی ہے۔

ابو عبید نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک خوبصورت فرمان کتاب الاموال میں نقل کیا ہے، آپ فرماتے ہیں:

’’خلیفہ بر حق وہ ہے جو کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کرے اوررعایا کے ساتھ اسی شفقت اور مہر بانی پیش آئے جس طرح آدمی اپنے اہل وعیال پر شفقت کرتا ہے([[36]](#footnote-36))۔‘‘

گویا ریاست کا فرض ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کی طرح رعایاکی خیر خواہی چاہے۔اور رعایا کی ا صل خیر خواہی یہ ہے کہ انکی ضروریات زندگی کی تکمیل کا اہتمام کیا جائے۔جو حکمران رعایا کے ساتھ مکمل خیر کواہی نہ برتے اس کا انجام برا ہو گا۔

بخاری نے حضور نبی اکرم ﷺ کی ایک حدیث روایت کی ہے آپﷺنے فرمایا:

**«مَا مِنْ عَبْدٍ اسْتَرْعَاهُ اللَّهُ رَعِيَّةً، فَلَمْ يَحُطْهَا بِنَصِيحَةٍ، إِلَّا لَمْ يَجِدْ رَائِحَةَ الجَنَّةِ»([[37]](#footnote-37)).**

’’جس بندے کو خدا نے کسی رعایا کا حکمران بنایا اور اس نے ان کے ساتھ پوری خیر خواہی نہ برتی وہ جنت کی خوشبو کو بھی نہ پا سکے گا ‘‘

شریعت اسلامی کی رو سے اسلامی ریاست تمام شہریوں کی سر پرست ہوتی ہے۔سر پرستی کا ایک تقاضا یہ ہے کہ تمام شہریوں کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کا اہتمام کرے۔اس لیے حاکمِ ریاست مدینہ حضرت محمد ﷺ نے فرمان ہے:

احمدبن حنبل نے روایت کیا ہے:

**السلطان وليّ من لا ولِيّ له([[38]](#footnote-38)).**

’’جس کا کوئی سر پرست نہ ہو اس کی سر پرست حکومت ہے۔‘‘

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ایک فلاحی مملکت کا تصور دیا ہے جو مشکلات، مصیبتوں اور پریشانیوں کے عالم اپنے شہریوں کی مدد کو آئے۔ان کی سر پرستی کرے اور ان کی زندگی کو آسان بنائے۔

آپﷺ نے اپنے دور میں اسی فلاحی مملکت کی بنیاد ڈالی۔حکومت کے محاصل کو عوام کی فلاح وبہبود کےلیے استعمال فرمایا۔ایک نومسلم قبیلہ کے سردار،ذرعہ بن ذی یزن،کےنام ایک خط لکھا اور اس کو سمجھایا کہ زکٰوۃ کیوں لی جاتی ہے۔یہ شخص قبیلہ حمیر کا سردار تھا۔

اس خط کو ابو عبید نے کتاب الاموال میں نقل کیا ہے:

**وَإِنِّي آمُرُكُمْ يَا حِمْيَرُ خَيْرًا، فَلَا تَخُونُوا وَلَا تُحَادُّوا، وَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَوْلَى غَنِيِّكُمْ وَفَقِيرِكُمْ، وَإِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِأَهْلِهِ، وَإِنَّمَا هِيَ زَكَاةٌ تُزَكُّونَ بِهَا لِفُقَرَاءِ الْمُؤْمِنِينَ([[39]](#footnote-39)).**

’’اہل حمیر میں تم کو بھلی روش اختیار کیے رہنے کی تلقین کرتا ہوں۔نہ خیانت کرنا اور نہ مخالفانہ طرز عمل اختیار کرنا۔اللہ کارسول تمہارے مالدار اور غریب سب کا سر پرست ہے۔صدقہ کا مال محمد (ﷺ)یا اس کے گھر والوں کےلیے جائز نہیں ہے۔بلکہ یہ زکٰوۃہے جو تم اپنے غریب بھائیوں کے لیے نکالتے ہو۔‘

گویا آپﷺ نے قبیلہ والوں کو یقین دلایا کہ جومال تم ذکٰوۃ کے طورپر دو گے وہ اور ریاستوں کی طرح سربراہ ریاست کی ذات کےلیے استعمال نہیں ہوگا بلکہ وہ تمہارے اپنے بھائیوں کی مصیبت اور ضرورت میں استعمال کروں گا۔آپﷺ کا یہ فرمان کہ میں تمہارے مالدار اور غریب تمام کا سرپرست ہوں۔یعنی جس طرح مالداروں سے صدقہ زکٰوۃ وصول کرنے کا حق رکھتا ہوں اسی طرح غریبوں کی مدد کرنے کا بھی ذمہ دار ہوں۔لہذا تم زکٰوۃ ادا کرنےمیں کسی قسم کی سرکشی اختیار نہ کرنا۔

مسلمانوں کی فلاح عامہ کےلیے اسلامی ریاست میں بیت المال کا تصور پایا جاتاہے۔جس میں زکٰوۃ وصدقات، عشوراور اموال فےجمع ہوتے تھےاور ان اموال کو رعایاکی ضروریات پر خرچ کیا جاتا تھا۔ ’’بیت المال‘‘ جناب نبی اکرمؐ کے دور میں ہی موجود تھا اور اس کے ذریعہ معاشرہ کے معذور اور ضرورت مند افراد کی مدد کی جاتی تھی، جناب نبی اکرمؐ بیت المال کی رقوم سے ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرتے تھے اور تاوان میں پھنس جانے والے حضرات کی مدد بھی کرتے تھے، حتیٰ کہ ایک روایت میں مقتول کی دیت بھی بیت المال سے ادا کرنے کا ذکر ملتا ہے۔

ابو عبيد نے مال فے سے متعلق ایک لمبی حدیث نقل کی ہے جس میں ایک بات یہ تحریر کی ہے:

’’(رسول اللہ ﷺ)اس میں سے (مال فے)اپنے اہل وعیال کا سال بھر کا خرچ دیدیتے اور جو بچ جاتا اسےمال اللہ (بیت امال) کی حیثیت سے دے دیتے۔زندگی بھررسول اللہ ﷺ کا یہی طرز عمل رہا([[40]](#footnote-40))۔‘‘

خاص طورپر جب فتوحات کا دروازہ کھل گیا اور ریاست کے پاس اموال آنے لگے تو آپﷺ نے اعلان فرمایا:مجھ سے مسلمانوں کو جان سے بھی زیادہ محبت ہے۔لہذا جو مسلمان قرض چھوڑ کر وفات پائےاس کے قرض کی ادائیگی میرے ذمہ ہے اور وہ جو ترکہ چھوڑکر جائے وہ اسکے وارثوں کےلیے ہے۔

بخاری میں ایک اور حدیث جو حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے اس میں آپﷺ نے اعلان فرمایا:

من ترك مالا فلورثته ومَن تَرك كلاً وعيالاًفإليّ و عليَّ([[41]](#footnote-41)).

’’جومال چھوڑ کر مرا وہ اس کے وارثوں کا ہے اور جو بوجھ (قرض) اور بے سہارا اولاد چھوڑ کر مرا پس وی مجھ سے رجوع کریں ان کی زمہ داری مجھ پر ہے۔‘‘

گویا نبی کریم ﷺ کو مال غنیمت کا جو خمس اور اموال فے اور دوسرے امال موصول ہوتے تھے وہ آپﷺ اپنے گھر کی ضروریات کے علاوہ غربا، یتامی،مساکین اور مسافروں پر خرچ فر ماتے تھے۔

ابوعبید نے مال غنیمت کے پانچویں (حضور ﷺکے) حصے کے مصارف کے متعلق حضرت ابن عباس سے روایت نقل کی ہے وہ بیان کرتے ہیں:

’’مال غنیمت پانچ حصوں میں تقسیم ہوتا تھا۔ ان میں سے چار حصے جنگ میں لڑنے والے فوجیوں کے ہوتےتھے۔ باقی ماندہ پانچواں حصہ پھر چار حصوں میں منقسم ہوتاتھا اس میں سے ایک چوتھائی اللہ اس کے رسل اور قرابت داروں۔۔۔یعنی آپﷺ کے قرابت داروں کےلیے ہوتاتھا۔دوسرا چوتھائی حصہ یتیموں کےلیے ہوتا تھا تیسرا چوتھائی حصہ مسافروں کےلیے ہوتا تھا۔ یہ مسافر وہ نادار مہمان ہوتے تھے جو مسلمانوں کے علاقے میں اتر تے تھے([[42]](#footnote-42))۔‘‘

اسی طرح ایک اور حدیث ہے جس کا مفہوم ہے کہ بیوہ اورمسکین کےلیے دوڑدھوپ کرنے والامجاہد فی سبیل اللہ کی مانند ہےاور اس شخص کی طرح ہے جو دن بھر روزے رکھے اور رات بھر نماز پڑھے۔

اس طرح آپﷺ نے اسلامی فلاحی ریاست کو قائم فرمایا اور امت میں اسی تصور کو پروان چڑھایا۔لہذا اسی میں امت کی خیر اور کامیابی ہے۔

خلاصہ کلام

اس آرٹیکل میں بیان کردہ نکات سے درج ذیل نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں:

1۔ معاہداتِ نبوی نے ریاست مدینہ کے معاشی استحکام میں اہم کردار ادا کیا۔

2۔ کسی بھی ریاست کے معاشی استحکام ميں اندرونی اور بیرونی حلیف اور حریف طاقتوں کے ساتھ معاہدات اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

3۔ کسی بھی ریاست میں امن کے قیام میں اُس کا معاشی استحکام اہم کردار ادا کرتا ہے۔

4۔ آج کے دور میں کسی بھی ریاست کو معاشی طور پر مستحکم بنانے کے لیے معاہداتِ نبوی سے راہنمائی لی جا سکتی ہے۔

1. () ابن قیم، زاد المعاد، (2/79)؛ ابن سعد، الطبقات الكبرى، (1/238). [↑](#footnote-ref-1)
2. () حمیداللہ، خطبات بہاولپور، (322) [↑](#footnote-ref-2)
3. () الأنفال: 72 [↑](#footnote-ref-3)
4. () احمد بن حنبل، المسند، (3/200) [↑](#footnote-ref-4)
5. () محمد کرم شاہ، ضیاءالنبیﷺ، (3/182) [↑](#footnote-ref-5)
6. () أحمد بن حنبل، المسند، (1/62) [↑](#footnote-ref-6)
7. () بخاری، الصحیح، کتاب البیوع، باب کسب الرجل وعمله بیده، (2/729)، رقم الحديث: 1964 [↑](#footnote-ref-7)
8. () کرم شاہ، ضیاءالنبیﷺ، (3/184**)** [↑](#footnote-ref-8)
9. () البقرة: 198 [↑](#footnote-ref-9)
10. () بخاري، الجامع الصحیح، كتاب البيوع، باب ما جاء في قول الله تعالى: (فإذا قضيت الصلاة فانتشروا في الأرض....)، (2/723)، رقم الحديث: 1945 [↑](#footnote-ref-10)
11. () مودودی، تفہیم القرآن، (1/156) [↑](#footnote-ref-11)
12. () عثمانی، شبیر احمد، (1949ء)، حاشیۃ القرآن بر ترجمہ مولانا محمود حسن، تاج کمپنی، لاہور، (38) [↑](#footnote-ref-12)
13. () أبوداود، السنن، كتاب الزكاة، باب الكري، (2/142)، رقم الحديث: 1733 [↑](#footnote-ref-13)
14. () أبوداود، السنن، كتاب الزكاة، باب ما تجوز فيه المسألة، (2/120)، رقم الحديث: 1641 [↑](#footnote-ref-14)
15. () طاہر القادری، محمد، ڈاکٹر، سیرۃ الرسول، منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور، پاکستان، (6/93) [↑](#footnote-ref-15)
16. () أحمد بن حنبل، المسند، (3/271)، رقم الحديث: 13890 [↑](#footnote-ref-16)
17. () صالحي، سبل الهدی والرشاد، (4/462) [↑](#footnote-ref-17)
18. () بخاري، الجامع الصحیح، باب قول النبي a للأنصار: اصبروا حتى تلقوني على الحوض، (3/1381)، رقم الحديث: 3583 [↑](#footnote-ref-18)
19. () أبو عبيد القاسم بن سلام، كتاب الأموال، (263)، رقم الحديث: 518؛ ابن هشام، السيرة النبوية، (3/34). [↑](#footnote-ref-19)
20. () حمیداللہ،مجموعۃ وثائق السیاسیہ،وثیقہ نمبر329، 330 [↑](#footnote-ref-20)
21. () الأنفال: 41 [↑](#footnote-ref-21)
22. () ابن هشام، السیرة النبوية، (4/308) [↑](#footnote-ref-22)
23. () حمیداللہ، مجموعۃالوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر 30،(116) [↑](#footnote-ref-23)
24. () ابن هشام، السیرة النبوية، (5/207) [↑](#footnote-ref-24)
25. () حمید اللہ، مجموعۃالوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر72، (99) [↑](#footnote-ref-25)
26. () أبو عبید القاسم بن سلّام، کتاب الأموال، (615) [↑](#footnote-ref-26)
27. ()گولن، نور سرمدی، مترجم: محمد اسلام، (1/488) [↑](#footnote-ref-27)
28. () بخاری،سیدتنویر،ڈاکٹر،(س ن)اسلام اور جدید افکار،لاہور،ایورنیو بک پیلس اردوبازار،(78) [↑](#footnote-ref-28)
29. ()وحیدالدین، خان، (س ن)تذکیرالقرآن،ناشر،دارالتذکیر،لاہور،اردوبازار،(2/796) [↑](#footnote-ref-29)
30. () حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، (239) [↑](#footnote-ref-30)
31. () ابن سعد، الطبقات الكبرى، (2/62) [↑](#footnote-ref-31)
32. () ابن هشام، السیرة النبوية، (5/274) [↑](#footnote-ref-32)
33. () حمیداللہ، مجموعۃالوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر 196، (300) [↑](#footnote-ref-33)
34. () حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی(حاشیہ )، (231) [↑](#footnote-ref-34)
35. () التوبة: 34 [↑](#footnote-ref-35)
36. () أبو عبید قاسم بن سلّام، کتاب الأموال، (1/116) [↑](#footnote-ref-36)
37. () بخاري، الجامع الصحیح، کتاب الأحکام، باب من استرعي رعية فلم ينصح، (6/2614)، رقم الحديث: 6731 [↑](#footnote-ref-37)
38. () أحمد بن حنبل، المسند، (6/165)، رقم الحديث: 25365 [↑](#footnote-ref-38)
39. () أبو عبید القاسم بن سلّام، کتاب الأموال، (260) [↑](#footnote-ref-39)
40. () أيضا، (24) [↑](#footnote-ref-40)
41. () بخاري، الجامع الصحیح، باب الصلاة علی من ترك دینًا، (2/845)، رقم الحديث: 2268 [↑](#footnote-ref-41)
42. () أبوعبید القاسم بن سلّام، كتاب الأموال، (127) [↑](#footnote-ref-42)